ڈاکٹر فوزیہ اسلم
اسسٹنٹ پروفیسر شعبہ اردو، نیشنل یونیورسٹی آف ماڈرن لینگوئجز، اسلام آباد

”غیر علامتی کہانی“ میں علامتی کہانیاں

Dr Fouzia Aslam

Assistant Professor, Department of Urdu, NUML, Islamabad.

The Symbolic Stories in the "Ghair Alamti Kahani"

During 70s, several new technical experiments were ventured in the short stories. Different stylistic approaches were introduced in the short stories like symbolism, abstract, narrative, allegorical, etc. This cult was the result of the internal literary movements as well as the suppression on the freedom of expression by national authorities. During the era of dictatorhip, in the un-symbolic stoires, internal and external feelings of material and mental suppression were presented in a symbolic way. Moreover, longing of national, social and individual freedom was brought afore. The article discusses the stories of Ahmed Javed's book "Ghair Alamti Kahani" in this context.

کسی تخلیق تخلیق کو صحیح طور پر سمجھنے اور پرکھنے کے لیے صرف تخلیق کار اور اس کی زندگی کو پرکھنا کافی نہیں ہوتا۔ اس عہد کو سمجھنا بھی ضروری ہوتا ہے جس میں کوئی فن پارہ تخلیق ہوا۔ اس لیے ”غیر علامتی کہانی“ کی علامتی کہانیوں پر بحث سے قبل اس ادبی وفکری پس منظر کو دیکھنا ضروری ے۔ جس کے نتیجے میں یہ افسانوی مجموعہ منظر عام پر آیا۔ اردو ادب کی تاریخ میں اس صدی کی ساٹھ اور ستر کی دہائی بڑی اہمیت کی حامل ہے۔ یہ وہ دو دہائیاں ہیں جن میں ملک نہ صرف سیاسی انتشار و خلفشار کا شکار رہا بلکہ دو حصوں میں تقسیم ہو گیا اور نہ صرف ادب وفن بلکہ سیاسی، اقتصادی و معاشرتی میدانوں میں بھی عہد ساز تبدیلیاں رونما ہوئیں جس کے نتیجے میں فرد اور معاشرے پر دور رس اثرات مرتب ہوئے۔ ۱۹۶۰ء کی دہائی نے اردو افسانے کا نیا رخ متعین کیا اور اسی عشرے میں اردو افسانے کے ایک نئے دور کا آغاز ہوا۔ یہ وہ دور ہے جب ترقی پسند تحریک اپنا اثر کھو چکی تھی، ادب میں ترقی پسند تحریک کا ردِعمل شروع ہو چکا تھا اور ”حلقہ ارباب ذوق“ فروغ پذیر تھا۔ یوں تو ترقی پسند تحریک کا زوال ۱۹۵۵ء ہی سے شروع ہو چکا تھا۔ تاہم ۱۹۶۰ء تک پہنچتے پہنچتے یہ تحریک اپنی تمام ترکشش کھو چکی تھی اور افسانے میں بیانیہ طرز اور حقیقت نگاری کا رویہ کمزور پڑنے لگا تھا۔ پھر ۱۹۵۸ء میں ملک میں پہلا مارشل لاء نافذ ہوا اور تحریر وتقریر پر پابندیاں عائد کر دی گئیں تو قدرتی

طور پر ادب کو بھی ایک نئے پیرائے اظہار کی ضرورت محسوس ہوئی۔

ادھر ۱۹۵۸ء کے بعد سے ہمارے ہاں کی جو مخصوص سیاسی صورتحال رہی اس کے نتیجہ میں خارجی حقیقت نگاری کے تصورات اور ان پر مبنی اسلوب خطرناک ثابت ہو سکتا تھا کہ اب تقاضا افشاء کا نہیں، اخفاء کا تھا۔ ان حالات میں علامت اور استعارہ نے ڈانواں ڈول افسانے کا بازو تھاما، اسے سہارا دیا۔ چنانچہ ہم دیکھتے ہیں کہ علامت اور استعارے نے افسانے کو معنویت کی نئی شاہراہوں سے آگاہ کیا اور یوں علامت اور استعارہ محض عناصر اسلوب سے بڑھ کر اظہار اور ابلاغ کے اہم ذرائع میں تبدیل ہو گئے۔ جدید ترین افسانہ کی یہ وہ بنیاد ہے جسے اگر فراموش کر دیا جائے تو اس افسانے کے مطالعے سے درست نتائج حاصل کرنے میں ناکام رہتے ہیں۔ ۱

گویا نیا ادب ۱۹۵۸ء کے مارشل لاء کے زمانے میں پیدا ہوا۔ نئے افسانہ نگاروں نے ترقی پسند تحریک کی حقیقت نگاری کے ردعمل میں علامتی و تجریدی اسلوب اظہار کو اپنانا شروع کیا۔ افسانے کی مروجہ ہیئت یعنی بیانیہ کے خلاف شعوری طور پر بغاوت کی گئی۔ ۱۹۵۸ء میں جب مارشل لاء نے قرطاس وقلم پر پہرے بٹھا دیے تو تخلیقی فنکاروں نے اظہار کی ایک نئی راہ تلاش کر لی اور اپنا ماضی المضیر علامتوں، استعاروں کے علاوہ تجریدی افسانے کے ذریعے پیش کرنے لگے۔ ۱۹۶۰ء میں ''نئی لسانی تشکیلات'' کی تحریک سامنے آئی جو بنیادی طور پر نظم کی بحث تھی جس کا آغاز جیلانی کامرانی کے ''استانزے'' افتخار جالب کی ''ماخذ'' اور وزیر آغا کی ''شام اور سائے'' کے دیباچوں سے ہوا جس میں نئی لفظیات کی بات کی گئی تھی اس کے ساتھ نئے ادیب سامنے آئے انہوں نے ''نو کمٹمنٹ'' کا نعرہ لگاتے ہوئے عدم وابستگی کو اپنے ادب کی بنیاد بنایا۔ یہ لوگ پرانی اقدار سے اپنی جان چھڑانا چاہتے تھے۔ صرف فکر کی سطح پر ہی نہیں بلکہ زبان و بیان کے معاملے میں بھی انھوں نے اپنے مخصوص رویے کا اظہار کیا۔ نئے لوگ پرانے پیرائے اظہار سے مطمئن نہیں تھے۔ گویا ایک ایسی نسل وجود میں آ رہی تھی جو روایت سے غیر مطمئن بھی تھی اور قدرے باغیانہ ذہن بھی رکھتی تھی۔ یہی وجہ ہے کہ آغاز ہی میں انھیں کڑی تنقید کا سامنا بھی کرنا پڑا۔

اس زمانے میں عالمی ادب میں بھی نئی نئی تحریکوں نے جنم لیا۔ مغربی افسانوں پر سارتر کے فلسفہ وجودیت اور جیمز جوائس کے آزاد تلازماتی انداز کا بہت اثر تھا۔ اردو افسانے نے بھی ان تحریکوں کا اثر قبول کیا۔ جدید ادب بالخصوص جدید افسانے پر جس فکر نے اپنے سب سے زیادہ اثرات چھوڑے ہیں وہ فلسفہ وجودیت Existentialism ہے۔ فلسفہ وجودیت کے علاوہ نئے ادب پر کہیں کہیں تصوف کے اثرات بھی پڑے ہیں اور اس کا سبب نئے ادیب کے رویے میں چھپی ہوئی بے پروائی اور خود ترحمی بھی ہو سکتے تھے لیکن ایک وجہ اس دنیا میں انسان کی بے حوصلگی بھی تھی۔ نیا ادب اور نیا افسانہ ادبی سطح پر بہت سے مباحث لے کر آیا تھا۔ یہ اعتراضات زبان و بیان کے ساتھ ساتھ رویے کے بھی تھے۔ جوں جوں سیاسی ماحول بدلتا گیا اور زمینی حقائق فرد کو اجتماع بننے پر مجبور کرنے لگے تو نئی لسانی تشکیلات کی مقبولیت میں کمی آنے لگی، نظم کی تحریک کمزور ہوئی اور افسانے کا دائرہ وسیع ہونے لگا۔ ذات کی تنہائی، بیچارگی، بے حاصلگی، مغائرت، جھنجھلاہٹ، تلخی وہ عناصر ہیں جو افسانے کا مزاج بنانے لگتے ہیں۔

ستر کا عشرہ جدید افسانے کے لیے بڑی اہمیت رکھتا ہے۔ اس کی ابتدا میں سقوط مشرقی پاکستان ایک ایسا المیہ ہے جس نے

تخلیقی ذہن کو ایک نئے المیے سے دوچار کر دیا اور یہ المیہ شکست وہزیمت کا تھا۔ قیام بنگلہ دیش، نظریہ پاکستان پر ایک قاری ضرب تھا۔ وہ تصورات جن کے ساتھ قیام پاکستان کا تذکرہ ہوتا تھا انھیں قیام بنگلہ دیش نے نئی صورتحال سے دوچار کر دیا اور قومی سطح پر ''عدم تشخص'' کا سوال اٹھ کھڑا ہوا۔ پاکستان میں ستر کے دوسرے وسط میں ایک بہت بڑا واقعہ ۱۹۷۷ء کا مارشل لاء ہے۔ اس فوجی انتظام حکومت نے تمام تر ادب کو بالعموم اور افسانے کو بالخصوص متاثر کیا اور کہانی بہت جلد جبر سے تصادم کا ذریعہ بن گئی۔ آمریت، تحریر وتقریر پر پابندیاں اور تذلیل کا احساس بیشتر افسانوں کے موضوعات ہیں۔ سو افسانے میں مزاحمت کا رویہ بڑا شدید دکھائی دیتا ہے۔ پاکستان میں مارشل لاء کوئی تجربہ نہیں تھا۔ البتہ اس مارشل لاء نے اپنے لیے کوئی مناسب جواز پیدا نہ کیا۔ علاوہ ازیں نئی بین الاقوامی صورتحال میں جبکہ دنیا چاروں طرف سے دو بڑی طاقتوں کا شکار ہو رہی تھی۔ پاکستان میں بنیادی حقوق کا یوں سلب ہو جانا نئے المیے لے کر آیا۔ نتیجتاً افسانے میں علامت اور تجرید کی مختلف النوع صورتیں پیدا ہو گئیں۔ تلخی، غصہ، دہشت، خوف اور ایسے ہی تمام نفسیاتی و اعصابی دباؤ کے مظاہر اب اردو افسانے میں ظاہر ہونے لگے۔ جن افسانہ نگاروں نے مارشل لاء کے خلاف لکھا۔ ان کی تعداد بہت زیادہ ہے۔ تاہم اس دور میں اعجاز راہی کا مرتب کردہ افسانوی مجموعہ ''گواہی'' خاص طور پر قابل ذکر ہے۔ جس میں شامل تمام افسانے ''مزاحمتی ادب'' کا نمونہ ہیں۔ اس پس منظر میں جون ۱۹۸۳ء میں احمد جاوید کا افسانوی مجموعہ ''غیر علامتی کہانی'' منظر عام پر آیا۔ ''غیر علامتی کہانی'' میں شامل افسانوں کی تعداد سولہ ہے جن کے عنوانات بالترتیب یوں ہیں:

''غیر علامتی کہانی، غیر علامتی کہانی نمبر۲، آثار، گشت پر نکلا ہوا سپاہی، پیادے، باہر والی آنکھ، کولہو کے بیل، دم دار ستارے، آکاس بیل، شام اور پرندے، کہانی کی گرہ، زنجیر، بند آنکھوں کے پیچھے، بیمار کی رات، اندر والی آنکھ، گمشدہ آسمان۔'' ان عنوانات کے سرسری مطالعے ہی سے افسانہ نگار کے موضوعات کا انداز ہو جاتا ہے۔ یوسف حسن ''غیر علامتی کہانی'' کے افسانوں کے موضوعات کے متعلق رقمطراز ہیں:

> غیر علامتی کہانی میں پورے ادبی حسن کے ساتھ عہد آمریت کی مادی اور ذہنی جبر سے پیدا ہونے والی خارجی اور داخلی کیفیات کو پیش کرتے ہوئے قومی اور سماجی اور انفرادی آزادی کی امنگوں کو تخلیقی انداز میں ابھارا گیا ہے...... تہہ داری ان کے اکثر افسانوں میں موجود ہے جو ان کے افسانوں کو پاکستان کی مخصوص عصری صورتحال کے اظہار تک محدود نہیں رہنے دیتی بلکہ اسے شامل رکھتے ہوئے انھیں وسیع تر عصری حسیت کا تخلیقی ترجمان بنا دیتی ہے۔۲

> غیر علامتی کہانی کی کہانیاں ایک ایسے منتشر اور مضطرب معاشرے کی کہانیاں ہیں جہاں شکست وریخت کا عمل بہت تیزی سے جاری ہے۔ ان کہانیوں میں الجھی ہوئی نفسیات کی ترجمانی بھی ملتی ہے اور بدلتے ہوئے انسانی مزاج کی تلخی بھی۔ تکنیک کے نئے پہلو بھی ملتے ہیں اور روایت سے بغاوت کی مثالیں بھی۔ یہ کہانیاں دراصل ان زندہ افراد کے مرثیے ہیں جو اندر سے ٹوٹ چکے ہیں اور ایک ایسی فضا میں سانس لے رہے ہیں جہاں قدم قدم پر تبدیلی کی خواہش سر اٹھاتی ہے اور یوں زندگی کے رنگا رنگ پہلو افسانے کے دامن میں سمٹ آتے ہیں۔۳

''غیر علامتی کہانی'' میں سولہ افسانے ہیں جن میں سے بیشتر ۱۹۷۷ء کے مارشل لاء کے بعد لکھے گئے۔ یہی وجہ ہے کہ ان کا تناظر اسی عہد پر پھیلا ہوا ہے اور آسانی سے اندازہ لگایا جا سکتا ہے کہ وہ مارشل لاء کے ردعمل میں تحریر ہوئے اور تقریباً سب ہی افسانے کسی نہ کسی حد تک سیاسی دباؤ کے خلاف شدید احتجاج اور مزاحمت کا رویہ سامنے لاتے ہیں۔ سیاسی جبریت کے علاوہ سماجی استحصال، عورت کے حقوق اور سامراجی ریشہ دوانیاں بھی انھیں کہانیوں کا مواد فراہم کرتے ہیں۔ مختصر یہ کہ اس مجموعے کی تمام کہانیاں سیاسی وسماجی استحصال پر مرکوز ہیں۔

''غیر علامتی کہانی'' اس مجموعے کا پہلا افسانہ ہے۔ اس افسانے کا موضوع معاشرے میں تیزی سے بدلتی ہوئی صورتحال اور اقدار کا منظر نامہ سامنے لاتا ہے۔ جس میں مستقبل کے بارے میں قومی نوعیت کے خدشات ہیں۔ دوسرے افسانے ''غیر علامتی کہانی نمبر۲'' میں مصنف نے اپنے عہد کی صداقت کا تجزیہ کیا ہے۔ طویل استبداد کے دور نے ہر شخص میں ڈر اور خوف کا احساس پیدا کر دیا ہے۔ جس کے باعث وہ ہر شے سے خوفزدہ ہے۔ افسانے میں ڈر اور خوف کی ایک خاص فضا موجود ہے اور ان کی شدت کو ظاہر کرنے کے لیے استعمال کی جانے والی علامات نہایت موزوں ہیں۔ مثلاً:

> مجھے کالی بلی سے بھی ڈر لگا تھا...... کالی بلی تو نحوست کی علامت ہے...... راستہ کاٹ جائے تو سفر رائیگاں ہو جاتا ہے...... میں نے یہ جانا کہ آج کی شب میرے مکان پر کالی بلی کا سایہ ہے......۴

تیسرا افسانہ ''آثار'' بھی سیاسی ماحول کا پیدا کردہ ہے۔ اس افسانے کا موضوع ''گرمی کی شدت'' اور ''حبس'' ہیں۔ مصنف موسم بدلنے کا خواب دیکھتا ہے لیکن ایک اندیشہ اس خواب کو بدخوابی میں بدلتا ہے۔ جب موسم خوشگوار ہونے کے بجائے طوفان اور سیلاب کی شکل اختیار کرتا ہے اور ہر چیز تہہ و بالا ہوتی دکھائی دیتی ہے اس میں مستقبل کی طرف سے اندیشے بھی ہیں۔

> دن پر دن بیتے جاتے ہیں...... جیسے صدیاں گزر گئی ہوں۔ حبس کا یہ موسم گزرتا ہی نہیں...... نہ ہوا چلتی ہے نہ بارش برستی ہے...... آسمان پر پھیلے ہوئے گرد و غبار پر سارا دن بادلوں کا گمان ضرور رہتا ہے۔ مگر رات ہو جاتی ہے کوئی پرندہ نئے موسم کا سندیسہ نہیں لاتا۔۵

افسانے میں پیاس، نوعمر بچوں کا اودھم، موسم بدلنے کی توقع اور اندیشے۔ یہ تمام الفاظ علامتی انداز میں اپنے اندر گہری معنویت رکھتے ہیں۔

> میرا حلق خشک ہو چکا ہے، کانٹے چبھتے ہیں اور ہونٹوں پر پپڑیاں جم آئی ہیں۔ پیاس نے بے حال کر دیا ہے۔ مگر میں سنتا ہوں کہ گلیوں میں نوعمر بچوں نے اودھم مچا رکھا ہے کہ انھیں جھکے ہوئے، بادلوں سے بارش کی امید ہے۔
> توقع رکھنی چاہیے کہ موسم بدلے گا...... مگر میرے اندیشے۔۶

چوتھے افسانے ''گشت پر نکلا ہوا سپاہی'' کا موضوع سیاسی جبر اور اس کے نتیجے میں پیدا ہونے والی اعصابی تھکن اور دانشورانہ تشنگی ہے۔ مارشل لاء کے خلاف جدوجہد اور اس کے نتیجے میں ریاستی جبر کا خوف عمومی نفسیات پر جس طرح اثرات مرتب کرتا ہے، اسی کی عکاسی افسانے میں کی گئی ہے:

> اس کے پاس شاید پوسٹروں کا بنڈل ہے...... وہ انھیں جلدی جلدی کھولتا ہے...... ایک پوسٹر زمین پر پھیلاتا ہے...... ادھر ادھر دیکھتا ہے...... گھبراہٹ اس کے اعصاب میں رینگتی ہے...... وہ بوکھلایا سا شاید ہر شخص کی

طرف دیکھتا ہے...... وہ اسے دیکھتے ہیں مگر ہلنے جلنے کی سکت سے شاید اب وہ عاری ہوتے جاتے ہیں......
اسے کچھ حوصلہ ہوتا ہے...... وہ پوسٹر پر تیزی سے گوند چپکا تا ہے...... پھر پوسٹر ہاتھوں پہ اٹھاتا ہے...... یہ
اچانک وسل کی آواز کہیں سے آتی سنائی دیتی ہے وہ اور زیادہ گھبرا جاتا ہے مگر تیزی سے آگے بڑھ کر پوسٹر
دیوار پر چسپاں کر دیتا ہے......۷

''گشت پر نکلا ہوا سپاہی''، ''گلی میں دھوپ ہے اور چھاؤں میں کتا''، ''اخبار پر مکھیاں''، بدبودار الفاظ'' افسانے میں استعمال ہونے والی وہ علامتیں ہیں جن سے افسانے میں معنویت کو ابھارا گیا ہے۔ اس افسانے میں ایک کردار ''کتے'' کی شکل میں بھی ظاہر ہوتا ہے۔ علامتی سطح پر یہ بھی ظلم اور جبر کے معنی لیے ہوئے ہے۔

تو سامنے کچھ بھی نہیں......اور کتا ہے کہ سر پہلو میں دیے اب اطمینان سے ہے کہ اب کوئی اس کی طرف پتھر
نہیں پھینکتا۔۸

''اخبار پر مکھیاں'' دراصل سنسر شپ کی پالیسی کی طرف اشارہ ہے۔ اخبارات، ریڈیو، ٹی وی یعنی ذرائع ابلاغ پر آزادانہ اظہار کی پابندی ہے۔ جس کے باعث عوام اصل صورتحال/حقائق سے بے خبر رہتے ہیں۔

مکھیوں کی بھنبھناہٹ اب بھی سنائی دیتی ہے......شاید وہ ابھی تک غلاظت کے ڈھیر پر نچڑے ہوئے بدبودار
لفظوں کے انبار پر بیٹھی ہیں۔۹

پانچویں افسانے ''باہر والی آنکھ'' میں سیاسی جبر واستحصال سے پیدا ہونے والی نفسی کیفیات کو موضوع بنایا گیا ہے۔ افسانے میں مارشل لاء کے لیے ''حبس کے موسم'' کو علامت بنایا گیا ہے۔

فرش پر پتنگوں کے جلے ہوئے پر پڑے ہیں اور پتنگے بھی۔ پتنگے حبس کے دنوں میں ہوتے ہیں۔ یا کہیں سے
آجاتے ہیں۔ یا بن جاتے ہیں۔ یا کہیں چھپے ہوتے ہیں اور گھٹن سے وحشت زدہ ہو کر باہر نکل آتے ہیں۔ تو
یہ حبس کے دن ہوں گے۔۱۰

افسانے میں بلی کا چڑیا پر جھپٹنا، کتے کا بلی کا تعاقب کرنا، کیڑے پتنگوں پر چھپکلی کا حملہ، جانوروں کے یہ فطری اعمال طاقت، جبر اور ظلم کی مختلف علامتوں کا تانا بانا ہیں۔ صغیر ملال افسانے پر تبصرہ کرتے ہوئے رقمطراز ہیں:

احمد جاوید کا افسانہ ''باہر والی آنکھ'' مشاہدے اور مراقبے کے امتزاج سے جنم لیتا ہے...... ہر بڑی تخلیق
مشاہدے اور مراقبے کے امتزاج سے جنم لیتی ہے۔ (چھپکلی اور بلی کے موجود ہونے کا بیان، مشاہدہ ہے اور
پتنگے اور چڑیا کے معدوم ہو جانے کی داستان مراقبہ ہے)۔۱۱

مجموعے کا چھٹا افسانہ ''پیادے'' ایک ایسی کہانی ہے جس میں گذشتہ کئی ہزار سال میں اس خطے کے عام آدمی پر گزرنے والی بپتا کو بیان کیا گیا ہے اور پھر آخر میں اسے اپنے عہد کے ساتھ جوڑ دیا گیا ہے۔

''پیادے''، احمد جاوید کی نمائندہ کہانیوں میں ہے۔ یہ کہانی انسانی تاریخ کے مختلف ادوار کو ہمارے سامنے لاتی
ہے اور یہ بتاتی ہے کہ عام انسانوں کا مقدر ہمیشہ یکساں رہا ہے۔۱۲

ساتواں افسانہ ''کہولو کے بیل'' میں بھی ''پیادے'' کی مانند تاریخ کے تمام تر ادوار کے اندر اپنی شناخت ڈھونڈنے کی

کوشش ہے۔فردوس انور قاضی اس افسانے کے موضوع کے متعلق رقمطراز ہیں:

''کہولو کے بیل'' ایسا علامتی افسانہ ہے جس میں انگریز حکومت کا پیدا کردہ وہ Complex نظر آتا ہے۔جس کے تحت پوری قوم ان کے سامنے خود کو حقیر سمجھنے کے مرض میں مبتلا ہے۔ہر شخص آنکھوں پر پٹی باندھے اس ڈگر پر کولھو کے بیل کی طرح گول گول گھوم رہا ہے جو انگریز حکام بنا کر چلے گئے ہیں۔آج کے آدمی کو اپنی ثقافت، تاریخ، آباؤ اجداد، قومیت کسی چیز سے کوئی تعلق اور محبت نہیں، وہ انگریزوں کے پیدا کردہ احساس کمتری کے تحت ان کی تہذیب، ان کی زبان، ان کی ہر روش کو اپنا کر خود کو ترقی کے راستے پر گامزن تصور کرتا ہے۔۱۳

آٹھواں افسانہ ''دم دار ستارے'' ہے۔اس کا موضوع بھی سیاسی جبر و استحصال ہے۔مصنف نے اپنے دور کے حالات کو نہایت چابکدستی سے پیش کیا ہے۔اس دور میں غیر یقینی حالات تھے۔بظاہر تو آزادی تھی اور کام سارا معمول کے مطابق ہوتا تھا مگر ایک حد تک پابندی تھی۔

بادل بھی آتے ہیں۔چمکتے ہیں، گرجتے ہیں، برستے ہیں۔ہوا بھی چلتی ہے۔دھیرے دھیرے۔کبھی شور مچاتی ہوئی۔کھڑکیاں دروازے بجاتی ہوئی۔پھول بھی کھلتے ہیں۔خوشبو بھی ہوتی ہے۔مگر پھول توڑنے یا سونگھنے کی اجازت نہیں۔اس سے اشتعال پیدا ہوتا ہے۔

باقی کوئی روک ٹوک نہیں۔۱۴

''کہانی کی گرہ'' میں خوابوں سے محبت کا برملا اظہار کیا گیا ہے۔اس افسانے میں فینٹسی کا عنصر غالب ہے اور تمام افسانہ ''خوابوں'' کے گرد گھومتا ہے۔افسانے کی خوبی یہی ہے کہ مصنف حال کا ذکر کرتے ہوئے ماضی میں کھو جاتا ہے۔وہ حال کی بدحالی کے ساتھ ساتھ ماضی کی حسین یادوں کا ذکر بھی کرتے ہیں۔

مجھے گھر کی دہلیز پر لوگوں کو بٹر بٹر دیکھنا اچھا لگتا تھا۔یا تعجب خیز۔یا حیران کن۔

میں کہنی اپنے گھٹنے پر ٹکاتا اور چہرہ اپنی کھلی ہتھیلی پر پھیلا دیتا اور لوگوں کو جاتے دیکھتا۔وہ تیز تیز قدم اٹھاتے۔ٹیکسیوں، رکشوں اور تانگوں کے پیچھے لٹکتے۔بسوں اور سائیکلوں کے ساتھ لٹکتے، سڑک کا موڑ مڑ جاتے۔میں بیٹھا رہتا۔۱۵

''آکاس بیل'' میں خواب میں بولنے کا عمل ہے۔افسانے میں جاگنے اور سونے کے درمیان کی کیفیت میں اندر کے آدمی اور باہر کے آدمی کے مابین کشمکش کو ظاہر کیا گیا ہے۔آدمی جو قید میں ہے۔اندر کا آدمی اسے اکساتا ہے کہ آزادی کے لیے جدوجہد کرے۔اس قید سے رہائی پائے۔حالات سے سمجھوتہ کرنے کے بجائے ان کا مقابلہ کرے۔

''شام اور پرندے''، ''کہانی کی گرہ''، ''بند آنکھوں کے پیچھے''، ''بیمار کی رات'' اور ''اندر والی آنکھ'' میں سیاسی جبریت کا عنصر نمایاں نہیں ہے بلکہ اس میں سماجی استحصال سے پیدا ہونے والی بیچارگی زیادہ غالب آ گئی ہے۔

''زنجیر'' مجموعے کا ایک ایسا افسانہ ہے جس میں عورت پر ہونے والے استحصال کو موضوع بنایا گیا ہے۔نچلے متوسط طبقے کی ایسی عورتیں جو گرہستی کے کاموں کی اسیر ہوتی ہیں۔ان کے شب و روز کس طرح بسر ہوتے ہیں اور مردوں کی اس دنیا میں انھیں زندہ رہنے کے لیے زندگی سے کس طرح سمجھوتہ کرنا ہوتا ہے۔''گمشدہ آسمان'' اس مجموعے کا آخری افسانہ ہے۔''گمشدہ

آسمان'' سوائے اسلوب کے موضوعاتی سطح پر باقی افسانوں سے کوئی میل نہیں کھاتا۔اس میں افسانہ نگار کی مابعدالطبیعاتی سوچ غالب ہے جو انسان، کائنات اور وقت کے معنی کو سمجھنا چاہتی ہے۔

> پہلے ہر طرف چپ تھی، یک سو شور ہو گیا، ٹک ٹک کرتا وقت ہر شے میں بجنے لگا۔ پرندے گیت گانے لگے۔ ندیاں شور مچانے لگیں۔ چاند ستارے ٹم ٹم چلنے لگے۔ سورج شکیں مارنے لگا۔ رات دن کی تمیز شروع ہوئی۔ موسم بدلنے لگا۔۱۶

اس مجموعے کی تخصیص یہ ہے کہ ''غیر علامتی کہانی'' عنوان ہونے کے باوجود تمام کہانیاں علامتی مفہوم رکھتی ہیں۔ یہ علامتیں مبہم نہیں ہیں کیونکہ کہانی کا اندرونی گردوپیش ان علامتوں کے مفاہیم کا تعین کر دیتا ہے۔ پھر افسانہ نگار نے روزمرہ زندگی سے ایسی علامتیں منتخب کی ہیں جن کے معنی واضح اور متعین بھی ہیں اور جو ان کی اپنی تخلیقی کاوش کی مدد سے نئے معنی بھی سامنے لاتی ہیں۔اس مجموعے کی کہانیوں میں چونکہ سیاسی و معاشرتی مسائل پر جبریت کا ماحول غالب ہے۔اس لیے احمد جاوید نے اس ماحول سے مطابقت رکھنے والی علامتوں کا انتخاب کیا۔حبس، طوفان، سیلاب، چور، اخبار اسی طرح حبس موسم کے متعلقات جیسے کیڑے، پتنگے، چھپکلیاں علاوہ ازیں دیگر جانور جیسے کتا، بلی، چڑیا، کوا وغیرہ اپنے علامتی مفہوم کے ساتھ ظاہر ہوتی ہیں۔اس کے علاوہ مختلف طرح کے منظر علامتی ناموں میں ظاہر ہونے والے کردار بھی علامتی اشارے کرتے نظر آتے ہیں۔ بعض الفاظ، تراکیب اور فقرے مثلاً ''حبس کا موسم''، ''درختوں پر سوکھے پتے''، ''گلی میں دھوپ ہے اور چھاؤں میں کتا''، ''چڑیا''، ''چمگادڑ''، ''چھپکلی''، ''بلی''، ''کتا''، ''ہاتھ''، ''چوکھٹ میں جڑی آنکھ''، ''گشت پر نکلا ہوا سپاہی'' وغیرہ بھی معنی خیز ہیں۔ یُوں ان افسانوں میں علامت نگاری اور رمزیت پڑھنے والوں میں بیزاری کی کیفیت پیدا نہیں کرتی بلکہ جگہ جگہ معنویت کے جگنو جگمگاتے ہیں۔

حوالہ جات:

۱۔ سلیم اختر، ڈاکٹر، ادب اور عصری آگہی، مشمولہ: سیپ کراچی، شمارہ ۴۷، ص: ۶۶

۲۔ یوسف حسن، مشمولہ: فنون، لاہور، جنوری اپریل ۱۹۹۳ء، ص: ۳۱۵

۳۔ ناصر زیدی، غیر علامتی کہانی، احمد جاوید کا نثری لینڈ سکیپ، مشمولہ: حرمت، راولپنڈی، نومبر ۱۹۸۳ء، ص: ۴۲

۴۔ احمد جاوید، غیر علامتی کہانی، خالدین لاہور، ۱۹۸۳ء، ص: ۱۹

۵۔ ایضاً، ص: ۲۶

۶۔ ایضاً، ص: ۳۰

۷۔ ایضاً، ص: ۴۰

۸۔ ایضاً، ص: ۳۹

۹۔ ایضاً، ص: ۴۱

۱۰۔ ایضاً، ص: ۴۳

۱۱۔ صغیر ملال، غیر علامتی کہانی۔ ایک جائزہ، مشمولہ: اردو ادب، راولپنڈی، ص: ۶۰

۱۲۔ انور خان، غیر علامتی کہانی۔ ایک جائزہ، ص: ۶۵۰

۱۳۔ فردوس انور قاضی، اردو افسانہ نگاری کے رجحانات، مکتبہ عالیہ لاہور، طبع اول، ۱۹۹۰ء، ص: ۵۵۷

۱۴۔ احمد جاوید، غیر علامتی کہانی، ص: ۶۳

۱۵۔ ایضاً، ص: ۸۲

۱۶۔ ایضاً، ص: ۱۲۴